# انقلاب 1857ء

## میں علمائے اہل سنت کا کردار

علامہ یٰسین اختر مصباحی

پیش نظر مضمون دراصل علامہ یٰسین اختر مصباحی کا ایک بیان ہے جو جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں تحریری مقابلے کے اختتام پر ہوا۔ یاد رہے کہ اس تحریری مقابلے میں 576 افراد نے حصہ لیا تھا جو کہ خود ایک ریکارڈ ہے۔ اختتام مقابلہ پر انعامی تقریب سے علامہ مصباحی صاحب کا یہ تاریخی و تحقیقی خطاب دراصل ہمارے درخشاں ماضی کی جھلک دکھاتے ہوئے مستقبل میں سنبھل کر عملی جدوجہد کرنے پر راغب کر رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

### بنگال پر قبضہ:

تاریخ میں آپ نے ضرور پڑھا ہوگا کہ انگریز ہندوستان کے اندر شاہان مغلیہ کے زمانے میں تاجر کی حیثیت سے آئے لیکن رفتہ رفتہ کئی سو سال کی محنت کے بعد انہوں نے دہلی کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ 1757ء میں "بکسر" کی سرزمین پر نواب سراج الدولہ اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہوئی لیکن کچھ ہندوستانیوں ہی کی غداری سے نواب سراج الدولہ کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور انگریز پورے بنگال پر قابض ہو گئے۔ کیوں کہ اس تاریخ کا صرف سیاست اور حکومت سے ربط و تعلق نہیں ہے بلکہ مذہب، علم اور اخلاق ساری چیزیں متاثر ہوئی ہیں۔ انگریزوں کی حکومت ان کے قبضے اور ان کے اختیار و اقتدار سے بھی یہ چیزیں کہیں متاثر اور کہیں مغلوب ہوئی ہیں۔



### "شیر میسور" سلطان ٹیپو کی شہادت:

ہندوستان کے شیر دل حکمراں سلطان ٹیپو کو انگریزوں نے اپنے کچھ ہندوستانی غداروں کی مدد سے 1799ء میں زیر کیا اور میدان جنگ میں اپنے قلعہ کے سامنے سلطان ٹیپو کو انگریزوں نے شہید کیا اور انہیں جب یقین ہو گیا کہ سلطان ٹیپو اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تو انگریز کمانڈر نے کہا تھا کہ "آج سے ہندوستان ہمارا ہے"۔ یعنی آج صرف سلطان ٹیپو ہی نے شکست نہیں کھائی ہے بلکہ ہندوستان نے شکست کھائی ہے اور ہمیں دہلی پر قبضہ کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ سلطان ٹیپو وہی شخص ہے جس کا یہ مقولہ آپ حضرات نے بارہا

سنا ہوگا کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے"۔ یعنی جیو تو شیر کی طرح جیو گیدڑ جیسی زندگی نہ گزارو۔

## بادشاہ وقت کے اختیارات:

1803ء میں انگریزوں نے دہلی پر مکمل قبضہ کر لیا لیکن اس وقت کے شاہ عالم کو فاتح انگریزوں نے محض ایک پنشن یافتہ سلطان کی حیثیت سے باقی رکھنا اپنے حق میں مفید سمجھا اور شاہ عالم کے اختیارات انگریزوں نے اتنے محدود کر دیے کہ کہا جاتا تھا اور تاریخوں میں یہ جملہ ملتا ہے کہ "سلطنت شاہ عالم از دلی تا پالم" پالم ہوائی اڈہ مشہور ہے۔ اس وقت شاہ عالم کی سلطنت و حکومت سمٹ کر دہلی سے پالم تک رہ گئی تھی اور باقی پورے ہندوستان پر عملاً انگریز حاکم ہو گئے۔

## جنگ آزادی:

یہ قبضہ یہ تسلسل جاری رہا تا آنکہ مئی 1857ء میں بعہد بہادر شاہ ظفر میرٹھ میں 10 مئی کو کچھ ہندوستانی فوجیوں نے بغاوت کی اور اس کے بعد دہلی سے لکھنؤ تک زبردست جنگ شروع ہوئی۔ تقریباً ساڑھے چار مہینے تک یہ جنگ ہوئی اور دہلی میں اور اس کے بعد دہلی کے تخت پر برطانیہ کی مکمل حکومت قائم ہو گئی۔ 1857ء کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے اور یہی درحقیقت حقیقی جنگ آزادی ہے۔

## بادشاہ وقت بہادر شاہ ظفر سنّی حنفی حکمران:

بہادر شاہ ظفر ایسے سنی حنفی حکمران اور خوش عقیدہ مسلمان تھے کہ میلاد و قیام کے تعلق سے حضرت علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی سے باضابطہ انہوں نے استفتاء کیا تھا اور علامہ فضل رسول بدایونی نے اس استفتاء کا جواب دیا جو "اکمل التاریخ" کی جلد دوم کے اندر مع مکمل سوال و جواب موجود ہے۔ اسی طرح بہادر شاہ ظفر نے سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ کی شان میں ایک بہت ہی شاندار اور بہت ہی ایمان افروز منقبت لکھی ہے۔ وہ منقبت پڑھ کر اور سن کر روح وجد میں آ جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ عہد حاضر کا کوئی سنی شاعر حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی منقبت خوانی کر رہا ہو۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل حکمران تھے اور بزرگوں سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ سنی حنفی حکمران تھے۔ اعراس بزرگان دین میں شرکت کرتے تھے اور علماء اہل سنت سے ان کا رابطہ تھا۔ یہ ایک پہلو ہوا حکومت اور اقتدار کے لحاظ سے۔

### دہلی کے صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ سنی حنفی:

دہلی کے صدر الصدور حضرت علامہ فضل امام خیرآبادی جو حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کے والد محترم ہیں جن کی منطق کی کتاب "مرقات" کے نام سے معروف ہے اور مدارس کے اندر آپ پڑھتے ہیں۔ یہ دہلی کے صدر الصدور تھے اور ان کے بعد 1857ء سے بہت پہلے آپ کے شاگرد رشید حضرت مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی صدر الصدور ہوئے اور ان کی صدارت کی پوری مدت تقریباً پندرہ سال تک تھی یعنی پندرہ سال تک دہلی کے صدر الصدور تھے۔ (1827ء سے 1857ء تک صدر امین و صدر الصدور دہلی' جون 1844ء میں دہلی کے صدر الصدور بنائے گئے تھے) ان کی حیثیت یہ تھی کہ دہلی کے سارے ادباء فضلاء اور شعراء ان کے دولت کدے پر آتے تھے۔ ان سے استفادہ کرتے تھے اور سارے اصحاب علم وفضل براہ راست ان سے وابستہ تھے۔

ان کا مسلک جاننے کے لیے آپ ان کی مشہور کتاب "منتهى المقال في شرح حديث لا تشد الرحال" مطالعہ کریں۔ یہ آپ کی کتاب ہے جو آپ نے عربی و فارسی میں لکھی ہے اور تقریباً 20 سال پہلے اس کا ترجمہ لاہور سے اردو میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب میں نے خود پڑھی ہے جس کی تمہید میں آپ لکھتے ہیں کہ اس وقت ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے جو ائمہ مجتہدین پر طعن و تشنیع کرتی ہے اور اولیائے امت کے خلاف انگشت نمائی کرتی ہے۔ اس سے سیدھا سیدھا اشارہ آپ کا فرقۂ وہابیہ کی طرف ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مباحث کے اندر آپ نے واضح طور پر "ابن حزم ظاہری" اور "ابن تیمیہ حرانی" کا نام لے کر تنقید و مذمت کی ہے اور ان کے مسلک کی مذمت کی ہے۔ اس منتهى المقال پر حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی تحریری تصدیق بھی موجود ہے۔

یہ حضرت آزردہ بڑے جلیل القدر اور عظیم عالم وفاضل تھے اور ان کا ذاتی کتب خانہ اس زمانے میں اتنا زبردست تھا کہ تین لاکھ (300000) روپے کی کتابیں اپنی آمدنی سے انہوں نے جمع کی تھیں جنہیں 1857ء کے انقلاب میں انگریزوں نے برباد کر دیا۔ پھر آپ نے جولائی 1857ء میں انگریزوں کے خلاف جو فتوائے جہاد جاری کیا تھا اس کی پاداش میں آپ کی ساری جائیداد ضبط ہو گئی۔ بعد میں مقدمہ چلا آپ لاہور چلے گئے پھر واپس دہلی آئے اور جتنی جائیداد غیر منقولہ تھی وہ سب کی سب ضبط ہو گئی۔

سیاسی حکومت واقتدار کے لحاظ سے اس وقت جو مرکز تھا وہ بھی سنی حنفی تھا اور اس زمانے کا جو صدر الصدور تھا وہ بھی سنی حنفی تھا۔ حضرت مفتی صدر الدین آزردہ اس وقت کے علماء کے مرجع تھے۔ دہلی سے آگرہ و اودھ تک کے علماء حضرت مفتی صدر الدین آزردہ کو نہایت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

جنگجو قائد مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی سُنّی حنفی:

جنگی لحاظ سے سب سے زیادہ جس نے دادِ شجاعت دی اس کا نام ہے مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی۔ سلطان ٹیپو کی فوج میں ان کے والد بہت بڑے عہدیدار اور اپنے علاقہ کے نواب تھے۔ میر قربان علی شاہ جے پوری ایک بزرگ تھے ان سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی۔ پھر ان کے بعد یہ سلسلہ قادریہ میں محراب علی شاہ قلندری گوالیاری سے طالب ہوئے۔ انہوں نے روحانی بیعت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیعت لی کہ انگریزوں کے خلاف تم نے جہاد کرنا ہے اور انہیں تم نے اس ملک سے باہر نکالنا ہے۔ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی 1846ء میں دہلی آئے اور مفتی صدر الدین آزردہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس کام کے لیے سب سے بہتر جگہ آگرہ ہے۔ اس زمانے میں ممالک متحدہ اودھ و آگرہ کے نام سے پورا یوپی کا یہ علاقہ جانا جاتا تھا۔ آگرہ اس وقت صدر مقام تھا جیسے لکھنؤ اس وقت صدر مقام ہے۔

مفتی صدر الدین آزردہ نے مولانا انعام اللہ گوپامئوی اور وہاں کے امراء علماء اور روسا کے نام خط لکھا اور کہا کہ ممکن حد تک جتنی مدد ہو سکے آپ لوگ مدد کریں۔ وہاں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی نے بہت جم کر کام کیا۔ دینی و تبلیغی کام بھی کیا اور جہاد کے لیے بھی لوگوں کو آمادہ کیا۔ اس زمانے میں آگرہ کیونکہ مرکز تھا اس لیے بہت بڑے بڑے علماء اور شعراء وہاں پر جمع تھے۔ حضرت مولانا فیض احمد عثانی بدایونی بھی وہاں پر تھے۔ حضرت غلام امام شہید جو بہت مشہور عاشق رسول اور نعت گو شاعر ہیں وہ بھی تھے۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی، مولانا سید محمد قاسم داناپوری اور اس طرح کے بہت سارے علماء تھے۔ ان سب کو آپ نے ہی آمادۂ جہاد کیا۔

مولانا فیض احمد عثانی سُنّی حنفی:

یہ سارے کے سارے علماء خالص سنی حنفی تھے اور حضرت مولانا فیض احمد عثانی بدایونی تو علامہ فضل رسول بدایونی کے بھانجے ہیں۔ بھانجہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ اپنے نانا سے سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں باضابطہ بیعت بھی ہیں اور ان کے نانا حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس وقت آگرہ کے جو بھی ممتاز علماء تھے ان میں سے اکثر حضرات 1854ء میں آگرہ کے اندر جمع تھے۔

حافظ رحمت اللہ خاں روہیلہ سُنّی حنفی:

1857ء میں جب دہلی کے اندر جنگ شروع ہوئی تو قیادت ان علمائے کرام نے کی اور جہاد کی روح پھونکنے

کی ذمہ داری ان ہی حضرات نے انجام دی۔ دہلی کے اندر ساڑھے چار ماہ کی جنگ ہوئی اس میں جنرل بخت خان روہیل اور علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔

1857ء کی پوری جنگ جو لڑی گئی وہ دہلی میں لڑی گئی اس کے بعد "روہیل کھنڈ" (بریلی وپیلی بھیت و مراد آباد و بدایوں و شاہجہاں پور وغیرہ) میں لڑی گئی اس کے بعد لکھنؤ میں لڑی گئی۔ دہلی کا پورا محاذ دہلی کے سنی علماء اور سپہ سالاروں نے سنبھالا اور ساری کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے بعد بریلی میں جو جنگ لڑی گئی خان بہادر خاں، حافظ رحمت خاں روہیلہ (شہید و مدفون بریلی) کے پوتے اور حافظ رحمت خاں روہیلہ صرف ایک سپہ سالار نہیں بلکہ سنی حنفی مجاہد اور متبع شریعت بھی تھے۔

عین حالت جنگ میں بھی حافظ رحمت خاں روہیلہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ان کے یہ پوتے تھے خان بہادر خاں روہیلہ اور ان کے معاون مفتی تھے حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی، جن کی "تواریخ حبیب الہٰ" و "علم الصیغہ" وغیرہ آپ حضرات نے پڑھی ہوگی۔ علم الصیغہ اب بھی داخل مدارس ہے اس لیے آپ میں سے اکثر حضرات نے یہ کتاب پڑھی ہوگی۔ انگریزوں نے جرم بغاوت میں آپ کو "کالا پانی" کی سزا دی تھی۔

## شہزادہ فیروز شاہ تمام سلاطین مغلیہ میں واحد معروف حاجی:

شہزادہ فیروز شاہ بریلی کے اندر تھا جب حج سے واپس آیا اور انوکھی بات یہ ہے کہ تمام سلاطین مغلیہ اور ان کے شہزادوں میں صرف شہزادہ فیروز شاہ ایسا تھا جس نے حج کیا تھا۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی بھی معروف مغل شہزادہ نے حج نہیں کیا۔ اس دور کا شہزادہ فیروز شاہ مالوہ، اندور، آگرہ، متھرا اور دھولپور سے ہوتا ہوا دہلی پہنچا اس کے بعد بریلی میں اس نے پڑاؤ ڈالا۔ روہیل کھنڈ کا یہ علاقہ جو اس وقت ہے اس میں بریلی شامل ہے، مراد آباد شامل ہے، بدایوں شامل ہے اور شاہجہانپور شامل ہے۔ روہیلہ پٹھانوں کی اس زمانے میں آبادی زیادہ تھی اس لیے اس پورے علاقہ کو روہیل کھنڈ کہا جاتا ہے۔ آج بھی وہاں اس علاقہ میں سنیوں کی غالب اکثریت ہے۔ 1857ء میں تو شاید باید کوئی وہابی اس علاقہ میں مشکل سے ملتا ہوگا۔ پیلی بھیت مرکز تھا جہاں کی جامع مسجد حافظ رحمت خاں روہیلہ کی بنوائی ہوئی ہے۔ آپ حضرات نے تاریخ میں یہ بھی پڑھا ہوگا کہ فقیہ اسلام امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ بھی افغانی تھے۔ بھڑیچ خاں قبیلہ سے ان کا تعلق تھا اور اوپر جا کر روہیلہ سے ان کا رشتہ مل جاتا ہے۔

## بریلی شریف کی مسجد بی بی جی:

"مسجد بی بی جی" جو بریلی شریف کے اندر ہے جہاں اس وقت مفتی اعظم ہند کا دار العلوم مظہر اسلام قائم ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے جب 1322ء مطابق 1904ء میں منظر اسلام قائم کیا تو پہلے باضابطہ مدرسہ کی شکل میں تعلیم اسی مسجد بی بی جی بہاری پور میں شروع ہوئی۔ یہ مسجد بھی حافظ رحمت خاں روہیلہ کی بیوی یا بیٹی یا ان کی ماں کے نام سے موسوم ہے۔ انہوں نے اس کی تعمیر کروائی تھی اور ابھی تک اس کا نام مسجد بی بی جی ہی ہے۔

## روہیل کھنڈ میں مجاہدین کو مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مولانا شاہ رضا علی بریلوی کی سرپرستی:

روہیل کھنڈ کے علاقہ میں سب سے زبردست اور خون ریز جنگ ہوئی تھی اور یہاں جتنے بھی تھے سب کے سب سنی علمائے کرام تھے جن کی کمان میں جنگ آزادی لڑی گئی۔ حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی و حضرت مولانا شاہ رضا علی بریلوی کی سرپرستی و پشت پناہی بریلی کے مجاہدین کو حاصل تھی۔ امام احمد رضا بریلوی کے حقیقی دادا مولانا شاہ رضا علی بریلوی فن شاعری میں حضرت مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا رضا علی بریلوی کے ایک چہیتے اور بہادر شاگرد مولانا فخر الدین جو سندیلہ ہردوئی کے باشندے تھے وہ انگریزوں سے جنگ کرتے ہوئے بریلی میں شہید ہو گئے۔ درجنوں گھوڑے مولانا رضا علی بریلوی کے انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کے لیے وقف تھے۔

## قائد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی سنی حنفی:

علامہ فضل حق خیرآبادی سے مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی نے لکھنؤ میں ملاقات کی اور باضابطہ تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد جنرل بخت خاں سے ملاقات ہوئی۔ بہادر شاہ ظفر سے اس کے بعد مشورے ہوئے اور اس کے بعد 1857ء کی جنگ دہلی سے لکھنؤ تک لڑی گئی اور اس جنگ کی قیادت علمائے اہل سنت نے کی۔

ان میں علامہ فضل حق خیرآبادی زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے بارے میں آپ حضرات نے پڑھا بھی ہو گا اور علماء کی زبانی سنا بھی ہو گا۔ ان کی مشہور کتاب "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" اور "باغی ہندوستان" ہے۔ "امتناع النظیر" بھی علامہ کی ایک بے نظیر کتاب ہے۔ ان کتابوں سے ان کا مسلک اور ان کی عظمت دوجمع دو چار کی طرح واضح ہے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی نے جامع مسجد دہلی میں انگریزی اقتدار کے خلاف تقریر کی اور جہاد کا فتویٰ دیا جس کے نتیجے میں دہلی کے اندر 90 ہزار مجاہدین جمع ہو گئے۔

## بلبل چمنستان رسالت ﷺ مولانا کفایت علی کافی:

حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر عالم اور بہت زبردست مجاہد تھے۔ مرادآباد میں مجاہدین کی آپ نے قیادت کی اور 1858ء میں گرفتاری و نمائشی مقدمہ کے بعد آپ کو پھانسی کی سزا ہوئی۔ یہ

اتنے بڑے عاشق رسول تھے کہ تختۂ دار کی طرف آپ جس وقت جارہے اس وقت بھی آپ کے لبوں پر ترانۂ نعت جاری تھا اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی و لیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

مولانا کفایت علی کافی اتنے بڑے عاشق رسول ﷺ اور شاعر نعت تھے کہ تختۂ دار پر جاتے ہوئے بھی نعت رسول گنگنا رہے تھے۔ پوری تاریخ اہل سنت اور علمائے اہل سنت کی قربانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ صرف 1857ء کی نہیں بلکہ اس سے پہلے کی اور اس کے بعد کی بھی۔

ہماری ذمہ داری:

آپ حضرات اور ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ صحیح تاریخ دنیا کے سامنے پیش کریں اور بتلائیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت ہم سنیوں نے کی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے خون کے قطرات ہم سنیوں نے بہائے ہیں۔ میدان جنگ میں تیروسنان کے مقابلے کی جب بھی ضرورت پیش آئی ہے تو ہم سنیوں نے اپنا سینہ پیش کیا ہے۔ اگر کوئی نام نہاد مورخ ہماری خدمات اور قربانیوں کو نظرانداز کرتا ہے' تاریخ بدلتا ہے' تاریخ کا چہرہ مسخ کرتا ہے تو یہ اس کی بدبختی ہے کہ تاریخ کے ساتھ وہ انصاف نہیں کر رہا ہے بلکہ تاریخ کے ساتھ ظلم کر رہا ہے۔

1857ء کی پوری تاریخ ہمارے علمائے اہل سنت کی قربانیوں سے بھری ہوئی ہے اور دہلی سے لے کر روہیل کھنڈ تک اور روہیل کھنڈ سے لے کر لکھنؤ تک اور اس کے بعد جب انگریز اپنے مکروفریب کے ذریعہ مجاہدین پر

غالب آ گئے اور مسلمانوں کو کچھ ہندوستانیوں کی غداری کی وجہ سے شکست و ناکامی سے دوچار ہونا پڑا تو اکثر مجاہدین اور علمائے کرام شاہجہاں پور میں جمع ہوئے اور قصبہ محمدی (شاہجہاں پور) میں ایک جگہ ہے وہاں باضابطہ ایک اسلامی حکومت قائم کی۔ مولانا فیض احمد بدایونی اور مولانا وزیر اکبر آبادی وغیرہ ارکان دولت و سلطنت منتخب ہوئے لیکن وہاں بھی بعض غداروں کی وجہ سے میدان ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے بعد شہزادہ فیروز شاہ، جنرل بخت خاں و مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی اور اسی طرح کے بہت سارے حضرات یہاں سے نکل کر نیپال چلے گئے اور پھر اس کے بعد ان میں سے اکثر کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ کب، کیسے اور کہاں ان کا انتقال ہوا؟ البتہ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی "قصبہ محمدی" کے آس پاس راجہ بلدیو سنگھ کے فریب و بدعہدی کی وجہ سے ایک جنگ میں شہید ہوئے۔

### شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور علامہ فضل امام خیرآبادی کے وارث و جانشین علماء اہلسنت:

ہندوستانی تاریخ کی یہ خون ریز جنگ علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی تلامذۂ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و حضرت علامہ فضل امام خیرآبادی کی دینی قیادت میں اور مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی و جنرل بخت خاں و شہزادہ فیروز شاہ و خان بہادر خاں روہیلہ کی فوجی کمان میں لڑی گئی اور یہ سب کے سب صحیح العقیدہ سنی تھے۔ ہمارا سلسلۂ ذکر و فکر اور سلسلۂ تعلیم خیرآبادی علماء سے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے ملتا ہے اور مذکورہ حضرات بھی انہیں سے وابستہ تھے۔

مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور علامہ فضل امام خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، شاہ عبدالعزیز اور اپنے والد دونوں کے شاگرد تھے۔ ہم اہل سنت اور اس وقت کے جو علمائے کرام ہیں ان کا سلسلۂ تلمذ بھی حدیث کا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے ملتا ہے اور معقولات کا حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی سے ملتا ہے۔ یہ سلسلہ جو اس وقت جاری ہوا وہ آج بھی علمی اور روحانی شکل میں اب بھی جاری ہے اور ہم اسی کے وارث اور جانشین ہیں۔

### حقائق دنیا کے سامنے پیش کریں:

تقریباً ڈیڑھ سو سال کی تاریخ ایسی لکھی گئی ہے کہ علمائے اہل سنت کے کردار کو فراموش کرنے یا داغ دار بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب ہمارا آپ کا فرض ہے کہ اس تاریخ کو درست کریں۔ سب سے پہلے تاریخ کو سمجھیں، سمجھائیں پھر ہمیں تحقیق کریں اور اس کے بعد اس تاریخ کو درست کریں اور دنیا کے سامنے پیش کریں کہ ہم یہ ہیں اور ہمارا یہ کام ہے۔

اس تاریخ کی شکل بگڑ جانے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے اہل سنت کیونکہ نہایت مخلص تھے اور ان کا جو بھی کام ہوتا تھا دین کے لیے، علم کے لیے، اپنی قوم، ملک اور وطن کے لیے ہوتا تھا جسے نمایاں کرنا اس کی نمائش کرنا علمائے اہل سنت کا مطمح نظر نہیں تھا اس لیے جو کام کیا اس کے بعد بھول گئے اور عموماً اسے ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ان کے برعکس دیگر علماء کا نظریہ تھا کہ جو کام ہے تھوڑا بہت وہ تو ہے ہی، جو کام نہیں ہے وہ زیادہ سے زیادہ نمایاں کیا جائے پھر اس کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال لیا جائے اور دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ ہم نے یہ کارنامہ انجام دیا اور ہم نے یہ تیر مارا وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت کے علماء اہل سنت کا اخلاص اور ان کا جذبہ بخیر اور نیت صالح تھی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر انہیں یقیناً ملے گا یا ملا ہوگا لیکن ہم کیونکہ ان کے وارث ہیں جانشین ہیں اس لیے آج کے حالات میں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس حقیقی تاریخ کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔

اس پہلو پر غور کریں کہ اب یہ کمی نہیں رہنی چاہیے اور اس تاریخ کی یہ کمی دور کرنا اور اسے درست کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمارا کام اور فریضہ ہے کہ یہ احساس ذمہ داری ہم اپنے اندر پیدا کریں۔ شعور بیدار کریں اور جو کمی رہ گئی اس پر غیر ضروری تبصرہ اور نکتہ چینی کرنے کی بجائے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ باپ سے یا کسی بڑے سے اگر کوئی کمی وکوتاہی نظر آجاتی ہے تو اس کو عیاں نہیں کیا جاتا اور اس کی تشہیر نہیں کی جاتی۔ اپنے باپ یا بڑے کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاتا ہے بلکہ اس کمی کو لائق بیٹا اور لائق بھائی، سعادت مند وارث اور سعادت مند آدمی اپنی محنت سے دور کرتا ہے۔ اپنے باپ کا، اپنے بھائی کا اور اپنے بڑوں کا نام روشن کرتا ہے۔ یہی شیوہ ہمارا ہونا چاہیے۔

جن علمائے کرام کے نام میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ مثلاً حضرت مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی، حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا فیض احمد بدایونی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی وغیرہ۔ ان کے حالات کہیں مختصر اور کہیں معمولی تفصیل کے ساتھ کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان کے حالات کو ہمیں جاننا چاہیے اور اپنی تقریر وتحریر کے اندر ان کا ذکر و بیان کرنا چاہیے۔

**فاتح عیسائیت مولانا رحمت اللہ کیرانوی پر بہتان:**

اب دوسروں کی تاریخ نگاری اور تاریخ کے ساتھ مذاق کرنے کا یہ انداز اور طریقہ ہے کہ ایک بزرگ عالم دین جو اس زمانے میں مجاہد آزادی بھی تھے مولانا رحمت اللہ کیرانوی جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ 1857ء کے بعد جب

گرفتاری کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ 1858ء میں مکہ مکرمہ کو ہجرت کر گئے۔ دارالعلوم دیوبند 1866ء میں قائم ہوا
جس کے قیام سے آپ 8 سال پہلے ہندوستان چھوڑ چکے تھے لیکن ایک عرب مورخ لکھتا ہے کہ مولانا رحمت اللہ
کیرانوی دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور وہاں کے فارغ التحصیل تھے۔ جس ادارے کے قیام سے 8 سال پہلے مولانا
رحمت اللہ کیرانوی ہندوستان چھوڑ چکے تھے اس کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ ہیں۔
مولانا رحمت اللہ کیرانوی وہ تھے کہ جب مصنف براہین قاطعہ خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری اور حضرت
مولانا غلام دستگیر قصوری کے درمیان 1306ھ میں بہاولپور پنجاب کے اندر مناظرہ ہوا اور اس کی روداد "تقدیس
الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" کے نام سے شائع ہوئی تو طبع دوم کے اندر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی
تحریری تصدیق موجود ہے۔ آپ حضرات بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "آپ تک رشید (یعنی رشید احمد
گنگوہی) کو رشید (ہدایت یافتہ) سمجھتا تھا مگر یہ بہت نارشید نکلا"۔ ایسے حق عالم کو بھی اپنا بنانے اور دارالعلوم دیوبند
کا فارغ بتانے میں ذرا بھی دریغ اور ذرا بھی تکلف اور جھجک محسوس نہیں کرتے۔ اس طرح سے پوری تاریخ کو
کھنگالنے کی پوری تاریخ کو جانچنے کی پوری تاریخ کو صحیح طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

**وہابی مسلک ونظریے کے حامل افراد کا جنگ آزادی میں کردار:**

تاریخی حقیقت کا ایک ناقابل تردید پہلو یہ ہے کہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن اور کلکتہ سے بالترتیب
1825ء اور 1838ء میں انگریزی اور اردو میں چھپنے والی کتاب تقویۃ الایمان از شاہ اسماعیل دہلوی کے وہابی
مسلک ونظریے سے وابستہ علماء کا مجموعی طور پر جنگ آزادی 1857ء سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں آتا۔ یہ بات سر
سید نے اپنی کتاب اسباب بغاوت ہند مطبوعہ 1858ء میں صراحت کے ساتھ تحریر کی ہے۔ اسی طرح مقالات سر
سید حصہ شانزدہم کے حاشیہ میں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ انگریز کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے سب کے
سب وہ علمائے کرام شامل تھے جو سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے شدید ترین مسلکی مخالف تھے۔
آزادی ہند کے بعد لکھی گئی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ چہارم میں شیخ العلمائی مورخ سید محمد میاں
دیوبندی نے لکھا ہے کہ علمائے صادق پور پٹنہ تنظیمی طور پر جنگ آزادی سے بالکل الگ تھلگ رہے اور عبدالرحیم
صادق پوری کی تحریر کے مطابق یہ لوگ 1857ء کے انقلاب کے مخالف تھے۔